بانگِ انقلاب

رنجورِ کاشمیری

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجرانِ کتب
و مالکان قرآن منزل مائسمہ بازار امیراکدل سرینگر

چھاپ شیخ غلام محمد

بانگِ انقلاب

حصّہ اردو

من تصنیف

عبد الستار رنجور اعظمی کاشمیری

گیگام پلوامہ

پبلشرز

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجران کتب

مالکان قرآن منزل بالبیمہ بازار امیراکدل سرینگر کشمیر

شاخ: مہاراج گنج سرینگر کشمیر

باراول تعداد ۱۰۰۰ دسمبر ۵۳ قیمت ۸ر

قد و گیسو میں قیس و کوہکن کی آزمائش ہے

جہاں ہم ہیں وہاں دار و رسن کی آزمائش ہے

(جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں)

رنجور کاشمیری

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	پیام بغاوت	۵
۲	شان ہستی	۶
۳	غلاموں کی دنیا	۸
۴	خطاب بہ نوجوانان کشمیر	۱۰
۵	کشمیر چھوڑ دو	۱۲
۶	امید قوی	۱۴
۷	راہِ نجات	۱۶
۸	چھڑا دو کارواں کو	۱۷
۹	بندگی حرام	۱۸
۱۰	دعا	۲۳
۱۱	شکوۂ قوم	۲۴
۱۲	میری روپوشی	۲۷
۱۳	انقلاب زندگی	۲۹
۱۴	انتظام قدرت کے باعث	۳۲
۱۵	انقلاب عالم	
۱۶	نظم کارواں جائے کہاں	۳۵
۱۷	علم و عمل	۳۶
۱۸	ایک روٹھے ہوئے دوست کے نام خط	۳۷
۱۹	سرخ پرچم کو لہرا دو	۴۰
۲۰	انسان کا دل دیکھا	۴۲
۲۱	نظم	۴۳
۲۲	خطاب بہ کشمیر	۴۴
۲۳	انتظار	۴۸

اعلان!

اس کتاب کے جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں۔ اگر کوئی صاحب اس کتاب کو کلاً یا جزواً چھاپنے کی کوشش کرے گا۔ تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جائیگی (رہبر کاشمیری)

پیامِ بغاوت

بدل دے تدبیر سے اس نارسا تقدیر کو
چھوڑ دے غفلت کو اب اٹھ توڑ دے زنجیر کو
رام راون کی لڑائی ہے ہو ہنومان جی کھڑا
کام لینے کو وقت ہے اب کمان اور تیر کو
دے ندا صورِ سرافیل کے صدا آنے لگے
ہے فنا ہونا عدم اب اس جہانِ پیر کو
کچھ کہیں آئے نظر نقشِ کہن دیرینہ رنگ
سب مٹا دے اب تمام امرا کے رنگ تعمیر کو
ہو قوی ہمت شجاعوں میں نہ ہو بندۂ غلام
اللہ کے بندوں میں ہو پابند نہ ہو تحریر کو
رنج و زحمت کے بلاؤں سے بچا دے قوم کو

دے نجاتِ افلاس و غربت سے وطن کشمیر کو
وقت ہے بالکل بہت نزدیک اب جمہور کا
ہونا ہے آزاد و خوش آخر غریب و دلگیر کو
جام خود غرضی کے عاداتوں سے نفرت ہے مجھے
بانٹ دے میرے غریبوں میں میری جاگیر کو
پڑھ بلند رنجور بانگِ انقلاب اٹھ ہو کھڑا
ہے نمازِ انقلاب اب کر ادا تکبیر کو

(۳ جنوری ۱۹۳۷ء)

شانِ ہستی

الٰہی عرض سن میری بلند کر شان ہستی کا
مٹا دے بیخودی اب بھیج دے طوفان ہستی کا
نہیں مظلوم کی آہ و فغاں سن کر صبوری ہے
چھڑا دے اب مظالم سے غلامستان ہستی کا

چھڑا دے امتِ مرحوم کو اس طوقِ غربت سے
فتح و نصرت کر عطا ہم کو بھی سامان ہستی کا

خزانِ مفلسی نے ہے ستایا میرے پھولوں کو
کر اے بادِ صبا تم بھی یہی اعلان ہستی کا

پیامِ نو بہار جا کر سنا دے اب گلستان کو
کہ آتا ہے بلانے کو کوئی انسان ہستی کا

اٹھو میرے غریبوں کو جگا دو بیخودی سے اب
زمانہ ہی خودی کا آتا ہے سلطان ہستی کا

چلو موسیٰ کے پیچھے ہے حمایت ذات کی ہم کو
فرعونوں کو دکھائیں گے ہم اپنا شان ہستی کا

اٹھو رنجور کا پیغام ہے نصرٌ من اللہ اب
مچا دو انقلاب سیلاب سا طوفان ہستی کا

(۱۷ جنوری سنہ ۱۹۴۷ء)

غلاموں کی دنیا

کیا غلاموں کی یہ دنیا تھی جلانے کے لئے
کیوں ہوئے پیدا غلام یہ رنج اٹھانے کیلئے

خون پانی کو ملا کر رات دن کرتے ہیں کام
روٹی بھی ان کو نہیں ملتی ہے کھانے کیلئے

ظلم کے صدمے گذرتے ہیں غلاموں کے اوپر
میری آنکھیں تھیں بہی آنسو بہانے کیلئے

کشمیر ہے جنت مگر میرے لئے دوزخ سقر
آتے ہیں لوگ دور سے آرام پانے کیلئے

نام آزادی کا جو لیتا ہے اس کو لاٹھیاں
عمر پھر ہوتی ہے اس کی جیل خانے کیلئے

کیا رقیب راز کو معلوم میرا راز ہے
آتا ہوں میں آتا ہوں اب خود بتانے کیلئے

جاگو سب پیغام لیکر آیا ہے بادِ بہار
اب زمانہ آتا ہے غربت مٹانے کیلئے

محنت اور مشقت اٹھا کر کچھ ہمیں حاصل نہیں
بس تیاری ہے ہماری جیل جانے کیلئے

رنج کے بارے میں لگے رنجور ہیں سارے غلام
آئے بلبل باغ میں اب غل مچانے کیلئے

جنونِ عشق آزادی نے اب ہم کو سکھائی ہے
عشق ہی نے یہ آزادی کی دیدہم کو بتائی ہے

۱۱ فروری سنہ ۱۹۴۷ء

خطاب بہ نوجوانان کشمیر

اٹھو آگے چلو ہم بھی یہ قومی گیت گائیں گے
پیام زندگی جاکر غریبوں کو سنائیں گے
کبھی آرام نہیں پانے دیا ہم کو مصیبت نے
اگر یہ بدنصیبی ہے تو قسمت آزمائیں گے
نہ کھانے کو میسّر ہے نہ رہنے کو مکان بہتر
یہ ایسی زندگی حسرت کی اب کیسے بتائیں گے
نظامِ وحشیانہ نارسائی نے ستایا ہے
ندی آنسو کی مل کر اب پہاڑوں سے بہائینگے
نہ ہم مغرب سے آئے ہیں ہم اس مشرق کے مالک ہیں
چلو مشرق میں آزادی کا پھر نعرہ بجائیں گے
وقت ہے بس یہی ملکر ہم اپنے زور بازوں سے
غلامی مفلسی سرمایہ داری کو مٹائیں گے

مقامِ مقصدی بالکل بہت نزدیک آیا ہے
چلو آگے خودی سے ہم قدم اپنا بڑھائیں گے

مذلّت سے نجات قوم غلاماں کو دلانا ہے
غلامستان میں جمہور کی شادی منائیں گے

قسم کھا کر اٹھو پکڑو مری تلوار فاروقی
حرام ہے زندگی تب تک نہ جبتک چین پائیں گے

اٹھو اولادِ ابراہیم ہو تم بھی بنو دیسے
لڑیں نمرود سے آؤ وہ ایسا رنگ لائیں گے

کمر ہمت کا باندھو اب زمانہ ہے شجاعت کا
خصوصیت امتیازیت استحصالی کو بھگائیں گے

اٹھو ترکی بہادر کی طرح غازی بنو سارے
غلاموں مفلسوں کو جامِ آزادی پلائیں گے

لگا دو دل بھگانا ہے نظامِ عیز و مہ داری
بقانونِ عوامی اب بنا عالم بسائیں گے

ندا رنجور کی ہے نوجوانوں سرفروشوں سے
وطن کو ان غلامی کی زنجیروں سے چھڑا دیں گے

تیغ کی بندوق کی اس توپ کی پروا نہیں
جب پڑیں اللہ اکبر خوف کی پروا نہیں

۱۷ مارچ ۱۹۴۷ء

کشمیر چھوڑ دو

یہ نظم ۲ اپریل ۱۹۴۷ء کے دوران سلسلہ تحریک
کشمیر چھوڑ دو لکھی گئی ہے

جاگو اے کشمیر والو اب زمانہ آگیا
کیا نظام زندگی بن کر فسانہ آگیا
ڈوگروں کو یہ کہو کہ کشمیر کو اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

جب تو جاگو گے تو اٹھ جاؤ گے سب سارے تمام
منزلِ مقصود آگے آئے گا دینے سلام
بس یہی اتنا کہو کشمیر کو اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

ظلم کی زنجیر سے آزاد پانے ہیں غلام
کرنا ہے مسمار اب سارا یہ فرعونی نظام
بس یہی نعرہ لگانا ہے ہمیں اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

دیکھو آزادی چمکتی ہے صبح انصاف کا
ہے پہاڑوں کی چٹانوں پر افق انصاف کا
رات کی آندھی کہاں یہ ہے صبح اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

امتیازی کو مٹا دو اور یہ بیگانگی
کب یہ خود غرضی چلیگی اب تری دیوانگی

کیا حقیقت کا زمانہ آیا ہے اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

ان غلاموں مفلسوں کی آہ سے ڈرنا چاہیئے
رسمِ دیرینہ کو طشت از بام کرنا چاہیئے
اس خیالِ خام کو تم نام سے اب چھوڑ دو

زندگی رنجور کی گذری مصیبت میں تمام
کیسے زندہ دل مظالم نے بنائے ہیں غلام
مہربانی ہے یہی کشمیر کو اب چھوڑ دو
چھوڑ دو کشمیر کو اب چھوڑ دو اب چھوڑ دو

۱۳ اپریل ۱۹۴۷ء

امیدِ قوی

قوی امید ہو ہردم نہیں مایوس ہو جانا
نہیں مایوسیوں کے قید میں محبوس ہو جانا
ضعیفی نامرادی ہے خرابی ناامیدی ہے

وہی آغاز ہے انجام کا مخصوص ہو جانا
قوی امید بندوں کو مدد امداد دینے پر
خدا مجبور ہے خود بھی یہی محسوس ہو جانا
قرآن لا تقنطوا من رحمت اللہ یاد ہے تجھکو
خدا بندے کو کہتا ہے نہیں مایوس ہو جانا
سعی کوشش سے چل آگے یقین ہے رہنما تیرا
خودی کے جامۂ امید میں ملبوس ہو جانا
یقین امید غیرت اور عمل سے کامیابی ہے
ہمت انسان کو چاہیے نہیں منحوس ہو جانا
قوی امید ہو ہر دم نہ مان اب ہار ہرگز پھر
نہ میدانِ جہاد سے لوٹ کر مخصوص ہو جانا
عمل زورِ تخیل کو دے پھر اپنے ارادوں سے
نہیں رنجور کو چاہیئے کبھی مایوس ہو جانا

(۴ مئی ۱۹۴۷ء)

راہِ نجات

رنج و عذاب میں ہی راہِ نجات تیری
ہے پیچ و تاب میں ہی راہِ نجات تیری

آرام ہے اصل میں باعث خرابیوں کا
وادیٔ حزاب میں ہی راہِ نجات تیری

مشکل بھی غم بھی ہونگے آسان خوشی بھی ہوگی
ان کے جواب میں ہی راہِ نجات تیری

جنگ و جدل نہ ہوگا تو صلح بھی نہ ہوگی
ہاں لہو و لعب میں ہی راہِ نجات تیری

یہ کشمکش جہاں میں کوشش سے خود نکالے
اندوہ و دولاب میں ہی راہِ نجات تیری

آنا خزاں کا ہے پیغام نو بہار کا
آگے عقاب میں ہی راہِ نجات تیری

(کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی)

تجھ پر ہوا سعادت آنا مصیبتوں کا
نکلے شتاب میں ہی راہ نجات تیری
ڈرنا نہ چاہیے رنجور مشکل مصیبتوں میں
ہے اضطراب میں ہی راہ نجات تیری

(۹ جولائی ۱۹۴۷ء)

چھوڑ دو کارداں کو

اٹھو میرے خدا کے حکم کی تعمیل کر ڈالو
پھر اس دور جہاں دیرینہ کو تبدیل کر ڈالو
ندی نالے جو بہتے ہیں جبان بارش کے بوندوں سے
ملا دو پھر ندی نالوں کو آب نیل کر ڈالو
عزم ابراہیموں نے ہے کیا کعبہ مٹانے کا
بنو بابیل پھر ان کو صحاب الفیل کر ڈالو
ہم استقبال کو جائیں اب آئے عدل فاروقی

عدالت ماضی و الحال کو تعطیل کر ڈالو
کہیں کس نے ہمارے کاروان کو مار ڈالا ہے
وہاں جانا ضروری ہے ہمیں تعجیل کر ڈالو
لٹایا ہے ہمارے کاروان کو کیوں لٹیروں نے
وہ اپنا مال ہم راہ گیر کو تحویل کر ڈالو
لگا دو دل چھڑا دو کاروان کو پھر لٹیروں سے
عدم خوگر قزاقوں کے قفس قندیل کر ڈالو
گردِ کارواں ان رہزنوں نے بند غُل ڈالا
چھڑا دو پھر ہمیں رہبر کو تحویل کر ڈالو

(۷ اگست ۱۹۲۷ء)

بندگی حرام

دل کی خوشی یا ہمنوا دل کا کوئی دلبر نہیں
کیونکر چلوں آگے بڑوں راہ نہیں رہبر نہیں

دولت بھی دنیا بھی نہیں کچھ سیم و زر گوہر نہیں
کیسے بساؤں کس لئے دنیا جو میرا گھر نہیں

جینے کے دن جو موت نے اپنا جو بھیجا ہے پیام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی حرام

ہمت شجاعت بھی نہیں تیغ و تبر خنجر نہیں
غیرت بھی ایمان بھی نہیں ہاں جب تیرا یاد نہیں

ملت بھی مذہب بھی نہیں مومن نہیں کافر نہیں
جنت کی لالچ بھی نہیں دوزخ کی بھی کچھ ڈر نہیں

جو تو نے میری کوششیں کر کے رکھی ہیں ناتمام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی حرام

پیدا کیا تو نے مجھے تو بھی کیا تو نے رحم
روح رواں ہے جسم میں تیرا ہے یہ فضل و کرم

کرتے ہیں یا تیرے دین کے دشمن مجھے ظلم و ستم
حسرت ہے میری زندگی وافر ہیں اس میں رنج و غم

شادی خوشی عشرت کے دن نایاب فرحت کے ایّام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

ڈرتا ہوں تیرے قہر سے مرتا ہوں تیرے دین پہ
دنیا میں تیرے دین کو پھیلاتا ہوں کر کے سفر
تیری رضا کے واسطے باندھا ہوا نکلا کمر
لڑتا ہوں تیرے حکم سے با دشمنان کینہ ور
خوبی ہے کیا تیری یہی مجھ سے لینا انتقام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

دل میں ترے قرآں کو تو ہی بتا کس نے لیا
مشرق سے مغرب تک تیرا پیغام بھی کس نے دیا
سچ کے لئے میدان میں عملی جہاد کس نے کیا
جامِ شہادت عدو کے تلوار سے کس نے پیا
دنیا میں تیرے دین کا کس نے کیا ہے اہتمام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

اللہ اکبر کا نعرہ کس نے دیا وہ کون تھا
جس کی زبان نے الا اللہ پہلے پڑھا وہ کون تھا
جنت سے نکالا گیا محروم ہوا وہ کون تھا
دنیا کو بھی زینت دی کس نے دیا وہ کون تھا
کچھ بھی نہ تھا کس نے دیا خدمات دنیا کو انجام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

عقبیٰ میں حوریں ہیں مگر کرنا ہے کافی انتظار
جو بھی رفیقہ تھی نہیں دنیا میں میری غمگسار
وعدہ ہے تیری نعمتیں جنت میں پائیں دیندار
شہد و شراب و شیرہاں پینا ہے واں لیل و نہار
جنت کی چیزیں ہیں یہاں دنیا میں تھی مجھ پر حرام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

یارب کیا میں نے تیرا شکوہ شکایت بھی اگر
مشکور ہوں ممنوں بھی ہوں تیرے عنایات سے مگر

کھاتا ہوں پیتا ہوں تیرے قسمت کے دسترخوان پر
اچھا نہیں برا صحیح تو بھی تھا ایک فردِ بشر
بندہ تیرا ہی تھا اگر بندے کا پھر کیوں ہوں غلام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

تم کو نہ چھوڑوں گا کبھی یا تو رہے یا میں رہوں
تو ہی بتا یہ دردِ دل تیرے سوا کس سے کہوں
کچھ فیصلہ بھی کر مجھے رہنا ہے زندہ یا مروں
دنیا بسانا ہے اگر کیسے بساؤں کیا کروں
رسم رسومِ نارسا دیرینہ کر دے اختتام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

تم ہو کبیر ہونگے ترے بندے جہاں میں کیوں صغیر
کیا تم کو بھی احساس ہے مجھ کو ستاتے ہیں امیر
مجھ پر ہجومِ ظالماں ہے دشمنوں کا دار و گیر
مغموم ہوں محتاج ہوں بندِ قفس میں ہوں اسیر

قسمت میں میرے تھا یہی رنجور ہی رہنا مُدام
کیا زندگی میری حرام ہے بندگی میری حرام

۱۱ ستمبر ۱۹۴۷ء

دُعا

الٰہی اپنے ہی دریائے رحمت کو بہادے پھر رواں کر دے
جہاں میں کاروانِ غازیانِ دینِ احمد پھر رواں کر دے
مسلمان پھر یہاں دیرینہ پیرانِ کہن کو پھر جواں کر دے
عطا ذوقِ یقین شوقِ عمل ایمان و ہمت پھر توان کر دے
عفو بر کاروانِ غافلان گمراہیانِ جرم و خطا کر دے
دریں ظلمات بدہ راہ نجات آبِ حیات ما را عطا کر دے

(۱۲ ستمبر ۱۹۴۷ء)

شکوۂ قوم

درد دل میرا نہیں سنتا کوئی اب کیا کروں
غم خوری ان کم ہمت مظلوم کی کیسے کروں
رہبری ان کی کروں یا ان کی خصلت سے ڈروں
شکوۂ مظلوم اے اللہ ضرور تجھ سے کروں
بے محبت ہیں ترے مخلوق بے مہر و وفا !
ہے نہیں موجود ان کے دل میں کچھ صدق و صفا
دیکھتے ہیں دوست کو دشمن کی نظروں سے غریب
خصلتِ ایں قوم ہے با دوستاں جور و جفا
اشرف المخلوق کا کیا ان سے مل جائے ثبوت
جلدِ آدم میں مرے دانش ہیں آئے ہیں یہ بھوت
عقل و تحقیق ہے نہیں ان میں حقیقت کی نگاہ
صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ کے موجب ہیں یہ سارے ربوت

خار و رسوا ہے تجمل اس زندگی کا نام ہی
جو نہیں آئے یہاں راہِ جہاد میں کام ہی
قبضۂ افلاس میں آئے ہیں یہ کاہل وجود
یوں سمجھتے ہیں ضلالت کو تیرا انعام ہی
جنبش و حرکت میں یہ آتے نہیں یک تارِ مو
ثابت ہیں بے سود ہیں روح رواں کے آرزو
جو نہ ہو کچھ بال و پر میں طاقت پرواز ہی
خوی آدم ہے نہیں یہ زندگی کا رنگ و بو
گرمیٔ غیرت ذرا بھر بھی نہیں اس خون میں
کیا جو ہونا چاہیئے تھا اسلام کے مجنوں میں
خواب غفلت سے جگا کر جھاگ ہی کھلتی نہیں
ڈوب ہی جائے نہ یہ کشتی یہاں جیحوں میں
مشعل ایماں مظلوماں ہوا بے نور کیوں
نشۂ دینِ رسول ان میں ہوا کافور کیوں

کھو چکے ہیں اپنی قسمت کو یہ نادان انجام
ہو چکے ہیں نامراد رحمت سے تیری دور کیوں

ظلم کے عادی ہیں یہ مظلوم ظالم کے غلام
عادتِ دیرینہ نے گھیرے ہیں انکے دل تمام
جذبۂ رحمت میں ڈوبے ہیں ضعیف و ناتوان
جرأت ایماں نہیں ان میں کوئی تاب کلام

ان کی فطرت ذہنیت مغلوب ہوتی ہے حیان
صبر و استقلال ہمت کا نہیں ان میں نشان
ہے نہیں سوزِ یقین این خفتگانِ خاک را
آج سے پہلے بھی تھا رنجور ان کا شکوہ خوان

۱۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء

میری روپوشی

اکتوبر ۱۹۴۷ء کے دوران سلسلہ تحریک کشمیر چھوڑ دو کی روپوشی میں ایک محبوب دوست کے نام خط کی صورت میں یہ نظم لکھی گئی۔

ہزار دل جیلوں سے بھی بدتر مرا روپوش ہونا تھا
مصیبت ابتلا آنا یہی روپوش ہونا تھا

حشر سے ہے نہیں آگاہ بشر انسان کوئی خاکی
پھر اپنی غلطیوں پر بھی نہیں پر جوش ہونا تھا

دغا بازوں کی چالوں سے لگا تھا قوم ہی در پے
ہوا باعث یہی ہاں جب مجھے روپوش ہونا تھا

سبب یہ تھا خرابی کا میرے جسم و جوانی کو
علالت کی ضلالت میں اگر مدہوش ہونا تھا

جدا چھوڑا رفیقوں نے قریبوں ہم نشینوں نے
کہیں نام و نشان میرا نہیں در گوش ہونا تھا

فدا قوم و وطن پر ہوں جدا ہوں میں عزیزوں سے

مدا بے خانمانوں کو مہیرا ہمدوش ہونا تھا
قفس میں ہیں اگر طوطے مگر ہیں ہمنوا سارے
یہاں شیروں کو غاروں میں نہاں خاموش ہونا تھا
نہیں دُکھ درد کچھ محسوس کئے اس اہلِ ایماں نے
اگر مجبوریوں سے بھی یہ پردہ پوش ہونا تھا
کبھی ہندو تھا سادھو میں کبھی بنکر رہا جوگی
شرافت قوم کے موجب تو برقعہ پوش ہونا تھا
کیا آخر یہاں اپنے وطن سے الوداع میں نے
دیا دل ہاں مسافروں کے ہم آغوش ہونا تھا
پھرا مشرق سے مغرب تک وطن کا سیر تھا باقی
وطن کے حالِ حسرت سے مجھے با ہوش ہونا تھا
مصیبت نے دکھائی راہ حقیقت کی نئی دلخواہ
بلا محقق دماغوں میں مجھے ہمدوش ہونا تھا
قسم ہے اب ارادوں سے نہیں پھر باز آجانا

ہمیں اس جامِ تلخ سے ذرا کچھ نوش ہونا تھا
کبھی رنجور پھر رنج و الم میں ڈر نہ کھا جانا
قضا ان کارناموں کا سزاوار و پوش ہونا تھا

۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

●

انقلابِ زندگی

آئے انسان پر مصیبت جو دولابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلابِ زندگی
پڑھ کتابِ زندگی میری حسابِ زندگی
انقلابِ زندگی ہاں انقلابِ زندگی

صد قیامت ہے مصیبت ابتلا کا ایک آن
غم ہی غم ہر سو نظر آتا ہے سر پر آسمان
درد و غم سے زرد ہوتا ہے گلابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلابِ زندگی

یکطرف ہوتے ہیں انسان کے خیال و فکر ہم
خوابِ مستی سے اٹھا لیتا ہے جب یہ رنج و غم
بھول ہی جاتے ہیں سب آرام و خوابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلابِ زندگی

کیا کروں پھر عقل کو کہتا ہے دل اب کچھ سکھا
اجتناب کرنا ہے غم سے راہ نئی کوئی دکھا
چاک کر دیتا ہے غم خود ہی حجابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلابِ زندگی

جب خیال و عقل آپس میں ملا دیتی ہیں جنگ
پھر دماغ و دل بخاتوں کا سکھا دیتا ہے ڈھنگ
موجزن ہوتا ہے جب ہر سو حبابِ زندگی
اس کو ہم کہتے ہیں یہاں انقلابِ زندگی

عقل ٹکراتی ہے دل کو چاہیئے جب تم کو کمال
رنگ چال و چلن حرکت سب پرانے بھول ڈال

رہنما ہے مبس بجاتوں کا عذاب زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلاب زندگی

عقل بھی خود سوچ میں آتی ہے آخر لامحال
دل سے ملکر ڈھونڈتی ہے پھر مقامِ لازوال
ہاں تلاشوں سے کھلا دیتے ہیں باب زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلاب زندگی

ہوتی ہیں تبدیل جب عقل و خیال وہم وگماں
بحرِ غم سے پھر نجات ہو حاصل ہوتا ہے اماں
نہرِ عالمگیر ہو پھر جوئی آب زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلاب زندگی

قربتِ دل کو بنا دیتا ہے فکر و غم وسیع
شربتِ غم تلخ لیکن ہے حقیقت میں فصیح
ساقیٔ غم ہی پلاتا ہے شرابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلاب زندگی

پھر جنم لیتے ہیں انسان کے خیالِ لایموت
ہو بباطن کشمکش جب ظاہر ہو صبر و سکوت
نیند سے بیدار ہوتا ہے جب لُوابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلابِ زندگی

مرغِ روح پرواز میں آتا ہے پا کر تربیات
کامیاب ہوتا ہے پھر انسان کا دورِ حیات
تھا یہی رنجور کا طرزِ حسابِ زندگی
اس کو کہتے ہیں یہاں ہم انقلاب زندگی

۵ نومبر ۱۹۴۷ء

●

انتقامِ قدرت کے باعث انقلابِ عالم

●

غلبۂ جرم و خطا سے ہو زمین جب بار بار
رونما عالم میں ہو پھر اضطراب و انقلاب

بند ہو دروازۂ عفو و کرم عجز و نیاز
پردۂ قدرت سے نازل ہو بلا رنج و عذاب
امن عالم میں خلل واقع ہو فی الارض و فلاک
کشمکش ہو کشت و خون قتل و غارت دردناک
فتنہ پرور شر پسند ہم مجرماں ہونگے ہلاک
کالعدم پھر درہم و برہم جہاں پیر ہو
بارش ہو طوفان و آتش سے فنا تعمیر ہو
فصل ہی کھائیں زمین ہو رونما قحط و وبا
قتل عالم مختلف پہلوں بیں دامنگیر ہو
چیرہ دستی تنگ نظری ہو یہاں فتنہ فساد
امن ہو نایاب و مفقود وافر ہو بغض و عناد
کام آئیں گے نہیں دنیا کے یاں عقل و دماغ
ہاں رہے ہر دم نتیجہ صلح ہے سب کو تضاد
ظلم بھی بیداد ہو ظالم بھی خود برباد ہو

آہِ مظلوماں عرش پر جا کر ے فریاد ہو
عدل بھی بیکار ہو انصاف بھی گمنام ہو
داد گر عالم میں پھر پیدا کوئی صیاد ہو

منتشر فرطوز ہو فرسودہ دنیا کا نظام
عالمِ دنیا میں ہو جنگ و جدل ہل چل تمام
صاف ہوتی ہے زمیں جب گناہ و پاپ سے
قائم تب ہوتا ہے پھر قانونِ قدرت کا نظام

جو نظامِ الا اللہ دنیا میں ٹھہرائے قیام
ہو وہی مہر و وفا عدل و کرم کا سچ پیام
جو شہ دنیا میں رہے باقی خدا کا انتقام
قائم و دائم رہے امن و صلح تب ہی مدام

پھر نہ ہو کوئی کسی کا قاتلِ جاں شکوہ خوان
پھر نہ ہو مالِ یتیموں کو کبھی ہرگز زیان
پھر نہ ہو کیوں شاد و خوش مسرور یہ رنجور بھی

جو نہ ہو بغض و حسد ہو جا بجا امن و امان

●

جو ہو بیداد عالم میں تو ہو ناداد گر پیدا — اقبال

۲۳ دسمبر ۱۹۴۷ء

کارواں جائے کہاں

محوِ حیرت ہوں الٰہی یہ جہاں جائے کہاں
عازمِ رفتن براہ یہ کارواں جائے کہاں

ہمتِ مرداں نہ ہو جو ہو نہیں عزمِ صمیم
تو کہاں یہ قافلہ بے رہرواں جائے کہاں

طاقتِ رفتن نہ ہو تو شوق ہو پرواز کا
طائرِ بے بال و پر بر آسماں جائے کہاں

شفقت و محبت پہ غالب ہو جہاں بغض و عناد
دل میں تعصب ہو جسے وہ ناتواں جائے کہاں

جس کی آنکھوں میں نگاہ ہو نفرت و تفرقے کی

ڈھونڈھنے قسمت کو وہ نوشیرواں جائے کہاں

کافرِ بتخانہ ہو دل رُومی ہو مومن نما

عاملِ قرآں نہ ہو وہ کلمہ خواں جائے کہاں

جو نہیں ہو منزلِ مقصود منظورِ نظر

بے مقام انساں چو اسپِ بے عناں جائے کہاں

گر تو اے رنجورؔ مستقبل کے عالم میں نہ ہو

تو بھی یہ تیرا خیال جاوداں جائے کہاں

۷ر جنوری ۱۹۴۸ء

علم و عمل

علم بے عمل و چوں بے علم بے سُود دان

عالمِ بے عمل و عاملِ بے علم مردود دان

فہم و دانش علم باشد بے عمل انساں را

چوں مثالِ گنجِ زر زیرِ زمین مفقود دان

عاملِ بے علم در میدان سپاہ و بے سلاح
عالمِ بے عمل ہمچوں شیشۂ فرسود دان

راہِ حق علم ہست براں رفتار عملِ عاملان
ہر کسے را در جہان علم و عمل بیہود دان

اے بیار تجور گر باشد ترا علم و عمل
بعد ازان نزدیک خود را منزلِ مقصود دان

●

۸ جنوری ۱۹۳۸ء

ایک روٹھے ہوئے دوست کے نام خط

توقع ہے مرے معروض کو منظور فرمائے
دلِ ناشاد کو پھر بھی اگر مسرور فرمائے
یہاں ہے انتظاری یار کے آمد کی اب آئیں
مبارک ہے کہ کب تشریف سے مشکور فرمائے
صحیح تو سختیوں کے بعد ہی آرام ہے لازم

بہارِ نو کی آمد کیوں نہ پھر مسرور فرمائے

ختم افسانۂ فتنہ وجفا ہو پھر صلح مضبوط

دکھا کر یک جھلک جو دل کو وہ مسحور فرمائے

ملے کب یار سے وہ یار جو دشمن ہو ایک بار

بہت نزدیک آکر بھی وہ مت پھر دور فرمایئے

نہ مانیں گے وہ محبوب جو نہ مانیں گے وہ مانینگے

بدلتے وقت کا ارتقا پھر مجبور فرمایئے

یہی ہے استدعا پھر کر دلِ ویراں کو آباد

نہ ہو ایسا خدا جانے تو کیا رنجور فرمایئے

(۱۲ر جنوری ۱۹۴۳ء)

غزل

کفر زنار بت پرستی ہے مجھے منظور آج

جھک رہی صورت کو میری سیرت مغرور آج

میزباں ہوں میں میرا مہماں ہے حضرتِ عشق
عشق کی آمد سے ہے خانۂ غریب پر نور آج

حکم سے جس نے دیا منصور کو دارِ فنا
خود بھی وہ منکر رہا ہے دار کا منصور آج

جو شراب کا نام لینے کو بھی کرتا تھا منع
ساقیٔ میخانہ ہے وہ واعظِ مشہور آج

تھا مجھے ناموس و ننگ کا احترام واقعی مگر
صد بلائے عشق کرتی ہے مجھے مجبور آج

عشق اک ہیجان بھائی عشق اک طوفان ہے
بہہ رہے ہیں جس میں تقویٰ زہد کے ہبادر آج

پوچھتا ہوں جس کو میں جنکے شیدائی رہا
عشق کا روٹھا ہوا ہے حسن کا مشکور آج

عشق سے خالی جو ہوگا وہ کوئی بھی دل نہ ہو
شیخ صنعاں ہے شرابِ عشق سے مخمور آج

عشق میری ابتدا ہے عشق میری انتہا
رسمِ آئینِ محبت ہے میرا دستور آج
عشق ہی آغاز ہے اور عشق ہی انجام ہے
عشق کے الہام سے بدنام ہے رنجور آج

(۲۱ جنوری ۱۹۵۰ء)

●

سرخ پرچم کو لہرا دو

بدلنا ہے جہاں کو اے عزیزو تم بدل جاؤ
ملے اوروں کے زوروں سے جو برکت اسکو اپناؤ
گئی تھی ہاتھ سے پھر مل رہی ہے پیاری آزادی
خدارا اس حقیقی حق کو اب تم پھر نہ کھو جاؤ
بڑو تم لڑنے والوں کے پیچھے جو بڑھتے ہیں آگے
بڑھو آگے بڑھو آگے سرخ پرچم کو لہرا دو

بلاتے ہیں ندائے انقلاب اقوام عالم کو
سویرا ہو چکا اٹھو بیدار ہو جاؤ

خیالِ غفلتِ دیرینہ میں مفقود تھا احساس
تلاشِ زندگی نے پھر دیا اسکو جو اپناؤ

نہ ہو گرداب غم میں غرق میرے ساتھیو مغموم
جو ہو یہ فکرِ فردا آج ہی ہمت کو پرکھا دو

بنو غازی بہادر دل مقدس قوم کے بیٹو
جہاں میں زندہ قوموں کیطرح قسمت کو چمکا دو

اٹھو افلاس کے مارے غریبو پھر ہو صف آرا
نہ ہو پسپا جہاں میں ہمتِ مردان کو دہرا دو

سکھاتا ہے تمہیں رنجور ہی اسباق غیوری
سمجھ دار و سمجھ سکتے ہو اوروں کو بھی سمجھا دو

۷ اپریل سنہ ۱۹۲۹

انسان کا دل دیکھا

کہیں میں نے نہیں دیکھا وہ جو انسان کا دل دیکھا
جو دیکھا میں نے دیکھا حضرتِ انسان کا دل دیکھا

سفر جو منزل لاانتہا کے طے کئے میں نے
تو آخر ابتدا تا انتہا انسان کا دل دیکھا

کہاں وہ عرش اعلیٰ ہے کہاں تخت الثریٰ کیا ہے
فقط آغاز سے انجام تک انسان کا دل دیکھا

دلِ انسان کی عظمت سے مقامِ کبریا کیا ہے
جو حسنِ لا الٰہ میں الا اللہ انسان کا دل دیکھا

دلِ انسان سے تنگ ہے عالمِ افلاک کی وسعت
بلند اتنا وسیع لاانتہا انسان کا دل دیکھا

کوئی رنجور سے پوچھے اگر تیرا خدا کیا ہے
جواب با صواب ہر دم کہے انسان کا دل دیکھا

نظم

نمیدانم خداوندی ندانم داوری کیا ہے
ندانم این مسلمانی ندانم کافری کیا ہے

دھرم کیا دین کیا آئین یہ انسانیت کیا ہے
فقط اک ڈھونگ ہے انسان کی یہ جادوگری کیا ہے

خدا کی بادشاہی میں یہاں ہیں بادشاہ کتنے
جو ہو واقعی خداوندی تو ان کی خودسری کیا ہے

یہاں زردار عالم میں بچارے بھوک کے مارے
غریبوں پر امیروں کی یہ ایسی افسری کیا ہے

غریبی اک لعنت ہے امیری عین شیطانی
خدائی بندگی کیا ہے گدائی زرگری کیا ہے

جو ہو راضی خدا سرمایہ داری یا غریبی کو
یہ ہو قانون قدرت پھر وہ اللہ اکبری کیا ہے

تمنا بھر نہیں آتی جو دنیا میں غریبوں کو
وہ قدرت کارسازی بے نیازی داوری کیا ہے

خیالوں کی بلندی پہ نظر آتا ہے وہ منزل
جہاں رنجور نے دیکھا مقام شاعری کیا ہے

۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۵۱ء

خطاب بہ کشمیر

فخر ہند کہتے ہیں تجھ کو روس ہندوستان چین
تو نے ہی پالا تھا وہ سلطان زین العابدین
تیرے ہی بہلانے دل آتے ہیں کتنے دل حزین
چومتے ہیں تیرے ہی دامن کو یہ مغرب کے حسین

حسن و رنگت سے ہوا تجھ سے جہاں مسحور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

اس جہاں میں باغ جنت کا بنائے کاش میر
خود کو جو کہلاتا ہے دنیا میں جنت بے نظیر
تیرا جلوہ دیکھنے کو آئے دنیا کے بصیر
لیکن یہ اولاد تیرے ہیں غلامی میں اسیر

صنعت و حرفت سے تو نے چھوڑا ان کو دور ہے
وادئ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

ہیں کچھ آثار جنت سب وہ تیرے پاس ہیں
کیا رکھے فردوس نے بھی تجھ سے کچھ اخلاص ہیں
روز تو نے غیر پالے بن چکے الماس ہیں
تیرے رہنے والوں کے کچھ قافلے بن باس ہیں
استحصالی نے کیا کب سے تجھے مسحور ہے
وادئ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

سنگِ مرمر کی فصیلیں ہیں کھڑے بازیب و فر
آنے جانے کے لئے بس وہ چکے ہیں چار در
کولنسر و بانہال مری اور پیر پنچال پہرہ در
ان فصیلوں کی بدولت ملک بےخوف و خطر
پاسبان ہمالہ "دن کستور" نتو ہیکور ہے
وادئ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

تجھ میں سمائیں چند قسم کی دھاتوں کے موجود ہیں
ہے نہیں احساس ان میں جو تیرے معبود ہیں
مشقتیں ان تیرے اولادوں کے سب بے سود ہیں

کر دیئے افلاس و عسرت نے یہ سب مردود ہیں
حوصلہ پیدا بھی کر کچھ وقت اب مجبور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

ہیں پہاڑوں پر چمکتے بے بہا "نیلم" "نگینہ"
غیرت و ہمت سے کیوں محروم ہیں تیرے امین
شاد و خوش آباد ہندوستان عرب ہم روس چین
تجھ سے ملتا اون ریشم زعفران اے سرزمین
یورپ، امریکہ ہوا افریقہ بھی مشکور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

مکی چاول، گندم و جو تیرے پیداوار ہیں
آلو، شلغم، ساگ، مولی، گاجر اور خیار ہیں
تیل، السی اور سرسوں کے لگے بیوپار ہیں لہ
آسمانوں میں گئی شہرت تری اب دور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

بھیڑ، بکری، گائے، بھینس اور گھوڑے پالے جاتے ہیں
سیب، اخروٹ اور بادام تجھ سے ہم پاتے ہیں
تیرے میوے تحفے بنکے ملکوں میں بھی جاتے ہیں

لہ مونگ، مٹر، دال، گنے، پیاز کے انبار ہیں

ناشپاتی، خوبانی انگور بھی سب کھاتے ہیں

آلوچی، آڑو، گلاس، شفتالو ہم اوبجور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

تجھ سے سرمایہ لیا غیروں نے غیرت دیکھ کر
تیری عظمت، شان و شوکت تیری ہمت دیکھکر

حیرت آتی ہے تیرے اولادوں کی غربت دیکھکر
ان غلاموں کی غلامی رنج و زحمت دیکھکر

چہرہ ان کا فاقہ مستی سے ہوا بے نور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

کیا سفیدوں کی قطاریں سبزہ زاریں پُر فضا
ان چناروں نے بھی تجھ کو رونق افروز کردیا

ہیں سرو، شمشاد، سنبل زار تیرے خوشنما
کیا دیاروں، کایرُو کی جنگلیں ہیں جا بجا

تیرے ایسے خوبیوں سے ملکِ ہند معمور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

دلپسند و پر فضا ہیں کتنے صحرائی مقام
گلمرگ، سوکھ ناگ، شالِ توسہ میدان پہلگام

جھیلیں کونسرؔ، اہربلؔ کا منظر اچھبلؔ اور مقام
دلفریبیوں کو بنا دیتے ہیں بالکل خوشخرام
بادِ صرصر چل رہا کیا بج رہا سنتور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

تیرے مایہ ناز فرزند ہیں دنیا کے بڑے
قوم کے خاطر جو دنیائے جہاں میں لڑ پڑے
کلہنؔ سپروؔ، غنیؔ، اقبالؔ آگے چل پڑے
شیخؔ، نہروؔ، بیگؔ، بخشیؔ صاحبان بھی ہیں کھڑے

قرہ، صادقؔ مسبر تیرا خاکسار رنجور ہے
وادیٔ کشمیر تیرا نام ہی مشہور ہے

ختم شد

انتظار کیجئے۔

بانگ افلاک کے علاوہ میری تصنیف کے دو مزید اور تین کتابیں "آہ و حیات" "روحِ آزاد" اور "بہار جاودان" جن میں اعلیٰ اور جدید قسم کی غزلیں اور نظمیں درج ہیں اور جن میں سیاسیات کشمیر پر تبصرہ کرنے کے علاوہ انسانی زندگی کو ابدی کی حیات تک پہنچنے کا ذریعہ دکھایا گیا ہے۔ شائقین بے صبری سے انتظار کریں

(رنجور کاشمیری)

(کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی)

پروپرائٹر شیخ غلام محمد

شیخ غلام محمد اینڈ سنز تاجرانِ کتب

و مالکانِ قرآن منزل مائسمہ بازار امیراکدل سرینگر